مکتوبِ حافظ — شہریار

نظم "مکتوبِ حافظ" شہریار کے قلمِ سخن کا نتیجہ ہے۔ یہ نظم خواجہ حافظ شیرازی سے متاثر ہو کر ان کی پیروی میں لکھی گئی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق حافظ کا کلام معیاری شاعری کا نمونہ ہے۔

شہریار نے بیشتر غزلیں کہی ہیں۔ وہ قدما میں شیخ سعدی اور خواجہ حافظ شیرازی سے زیادہ متاثر ہیں۔ کلمے اور ترکیبیں قدیم ہیں اور انداز بھی کلاسیکی شعرا کا ہے۔ تشبیہات و استعارات اور علامات اشارات قدیم ہیں۔ گل و بلبل، شمع و پروانہ، ساقی و میخانہ، لیلیٰ مجنوں وغیرہ قابلِ تذکرہ ہیں۔ البتہ شعری اظہار مضمونوں میں جدت ہے۔ "مکتوبِ حافظ" اس کا نمونہ ثبوت ہے۔ یہ نظم کم، غزل زیادہ ہے۔ قافیہ اور ردیف میں غزل جیسی پابندی ہے۔ الفاظ بھی شستہ ہیں اور کم حروف استعمال ہوئے ہیں۔

"مکتوبِ حافظ" کا پس منظر یہ ہے کہ شہریار کی زندگی عموماً اور جوانی خصوصاً نامرادی، پریشانی اور حرماں نصیبی سے دوچار رہی ہے۔ انھوں نے عشق میں ناکامی، دوستوں کی بے وفائی اور گوناگوں پریشانیوں کا سامنا کیا ہے۔ چنانچہ اس غزل نما نظم میں حسنِ شاعری کے دوش بدوش ان چیزوں کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔

پہلی ہی نظم میں شروع ہی سے محبوب کی جدائی کا تذکرہ ہے۔ ایامِ گزشتہ کی تلخیاں یادوں کی بارات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کبھی تصور کی دنیا میں محبوب کا سراپا دیکھتے ہیں۔ حسن و عشق اور جلوۂ محبوب کے لیے "گلاب" کا لفظ علامتی طور پر استعمال ہوا ہے۔ محبوب کی ہر ادا اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی نظریں اور ادائیں کوئی جوڑ نہیں رکھتیں۔ شہریار محبوب سے بچھڑ کے (جدائی) پریشان ہیں لیکن حریص اور ہوس پرست نہیں بلکہ قناعت پسند ہیں۔ وہ محبوب کے تصوراتی جلووں کے سہارے زندگی گزار سکتے ہیں۔ وہ دائمی وصال نہیں چاہتے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ محبوب جس طرح بلند و بالا محل میں بادشاہ کی طرح رہتا ہے، اسی طرح یہاں ان کی کٹیا میں بھی آ جائے، چند لمحے گزارے اور بس۔ انھوں نے محبوب کی قدر و منزلت کے مقابلہ میں اپنی ذات و خواری ظاہر کی ہے۔ اس سے جذبات کے احترام اور عشق کی راہ میں صبر و قناعت کی اچھی مثال اور اظہار ملتا ہے۔ ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب انھیں محبوب سے ہم آغوشی کا شرف حاصل ہوتا ہے اور وہ ایسا اتنا کھو جاتے ہیں کہ انھیں سورج اور چاند کے طلوع و غروب کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ محبوب کے بے مثال اور بے حد و حساب حسن و جمال نے انھیں فطری مناظر اور قدرتی نقش و نگار سے لطف اندوز ہونے سے بے نیاز کر دیا۔ مگر وہ فوراً ہی یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ حرص و ہوس اور نفس پرستی و خود غرضی کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس لیے وہ عشق و محبت کی راہ میں بھی مشاہد و توفیق اپنی خدا سے دستگیری اور نصرت چاہتے ہیں۔ وہ عشق میں کامیابی کی راہ اور بے شمار نشیب و فراز کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ محبوب کی بے توجہی اور بے اعتنائی کے خلاف کوئی فریاد یا دادخواہی نہ کی جائے کیونکہ اس سے اسے رنج ہوگا اور یہ بات عشق کے حق میں نہ تو مناسب ہے اور نہ ہی روا بلکہ خطرہ ہے۔

آخری شعر میں یہ صراحت کی ہے کہ شہریار، حافظ سے کس قدر متاثر ہیں کہ ان کے دبستان اور طرز و روش کو چھوڑنا نہیں چاہتے کیونکہ خواجہ کے یہاں حقیقت کے پہلو میں گہرائی اور گیرائی زیادہ ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ شہریار نے اپنی اس غزل نما نظم "مکتوبِ حافظ" میں وارداتِ قلبی، محبوب کے تصوراتی جلوے، عشق کی راہ میں فدویت کے جذبات اور قناعت پسندی کے رجحانات پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی مختلف کیفیات، گوناگوں احساسات کی اچھی ترجمانی بھی کی ہے۔ ہوس پرستی، دل شکنی اور کدورت سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔ مقطع میں "مکتوبِ حافظ" کی عظمت اور اس سے اپنی قلبی وابستگی کی وضاحت کی ہے بلکہ خود دوسری جگہ اقرار کیا ہے کہ "ہر چہ دارم ہمہ از دولتِ حافظ دارم"۔ خلاصہ یہ کہ نظریۂ عشق، اصولِ محبت اور اسلوبِ شاعری کی وضاحت اپنی مختلف جہتوں سے "مکتوبِ حافظ" شہریار کی ایک اہم نظم ہے جس میں نغمگیت اور ترنم کی فراوانی اور سلاست و روانی نے اس کے حسن کو دوچند کر دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

ضلال و دلال

بہار شہدی

"ضلال و دلال" حرف سدا شاد اشعار کی مختصر سی بہار شہدی کی حسین و جمیل نظم ہے جس کے حسن و جمال کی علامت الٹ طرف "ضلال (گمراہی)" اور "دلال (معشوق کا عشوہ و ناز)" کی رعایت لفظی تک سلاست و خشونت سے زیادہ ہے۔ دوسری طرف فنِ تجوید میں "دال" اور "ض" قریب المخرج حروف ہیں۔ اسی بنا پر علم کی کمی اور تلفظ کی وجہ سے بعض لوگ "ض" کا تلفظ "د" کی طرح کرتے ہیں۔ موجودہ عراق کے جنوب مشرق میں مشہور علمی مرکز "بصرہ" میں ایک جید عالم (شیخ) قرآن کا درس دیتے تھے۔ اسی شہر میں ایک بچی خداداد حسن و جمال سے مالامال چھوٹی کم عمر بھی اُن سے پڑھنے آتی تھی۔ اس معصوم کم عمر غنچہ دہن خوبصورت لڑکی کے حسن و جمال اور عشوہ و ناز نے شیخ کے قدم متزلزل اور دل ڈانواں ڈول کر دیے تھے۔ شیخ اسے "ضلال مبین" کا درس دیتے تھے اور فنِ تجوید کے لحاظ سے "ض" کا صحیح مخرج نکالتے تھے لیکن کم عمر بچی اپنی غنچہ دہنی اور حروف کا صحیح مخرج نکالنے کی صلاحیت کی کمی کی وجہ سے "ض" کا صحیح تلفظ نہیں نکال پاتی تھی اور اس کی زبان سے "ضاد" کی بجائے "دال" کا تلفظ ہو جاتا تھا یعنی "ضلال" بمعنی گمراہی کی جگہ وہ "دلال" بمعنی معشوق کا عشوہ و ناز بولتی تھی۔ لیکن شیخ بار بار "ضلال مبین" پڑھاتے تھے اور وہ بھی ہر بار "دلال مبین" پڑھتی تھی —— اب بہار شہدی نے شیخ کو نصیحت کی کہ وہ راہِ ضلال یعنی گمراہی کے راستے کو اپنی جولانگاہ نہ بنائیں کیونکہ یہ شوخ و شنگ غنچہ دہن کم عمر لڑکی نہ تو صحیح تلفظ کر سکتی ہے اور نہ ہی اپنے خیال سے منحرف (پھرنا) ہو سکتی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ دونوں ہی اپنے حدود میں رہیں یعنی شیخ اپنے "ضلال (گمراہی)" اور بچی اپنے "دلال (عشوہ و ناز)" میں —— خلاصہ یہ کہ استاد کو درس و تدریس کے دوران بچوں اور بچیوں کی عمر اور صلاحیت کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہاں بہار نے "ضلال و دلال" اور "شیخ و شوخ" کی لفظی رعایت اور معنوی مناسبت سے طنزِ لطیف کے پیرائے میں ایک نرالا فلسفیانہ مضمون بیان کیا ہے۔ اگر ایک طرف "ضلال" کی بجائے بچی کے تلفظ "دلال" سے اس خوبصورت بچی کی فطری اور معصوم اداؤں کی ترجمانی ہو رہی تھی تو دوسری طرف اس سے گناہوں میں لپٹے ہوئے ایک بوڑھے شخص (شیخ) کے دلوں کی ترجمانی نہیں ہو رہی تھی، اس لیے وہ بار بار تلفظ کی درستگی پر زور دے رہے تھا۔